REGD. No. L 5254

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فون نمبر ۲۹

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ اطلاع

— محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ربوہ —

ربوہ ۲ مئی بوقت ۸½ بجے صبح

کل حضور کو کچھ بے چینی کی تکلیف ہو گئی۔ ویسے عام طور پر طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے نسبتاً بہتر رہی۔ اس وقت بھی طبیعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے — احباب جماعت صحت کاملہ و عاجلہ اور درازیٔ عمر کے لئے خاص توجہ اور التزام سے دعائیں جاری رکھیں۔

"آج دنیا ایک نہایت خطرناک دور میں سے گزر رہی ہے" (صدر ایوب)

آئندہ چند برسوں میں مشرق بعید اور مشرق وسطیٰ کو بہت زیادہ خطرہ کا سامنا کرنا ہوگا

واشنگٹن ۲ مئی۔ صدر ایوب نے کہا ہے کہ آج کی دنیا نہایت خطرناک دور سے گزر رہی ہے۔ اور آئندہ چند برسوں میں مشرق بعید اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو خاص طور پر سب سے زیادہ خطرے کا سامنا کرنا ہوگا۔ صدر ایوب نے ایک امریکی اخبار کے نمائندہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا موجودہ حالات میں ایٹمی جنگ کا خطرہ نہیں۔ کیونکہ ایسی جنگ شروع کرنے والا ملک نقصان سے نہیں بچ سکتا۔ لاؤس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے صدر ایوب نے کہا کہ فوجی طاقت استعمال کرنے کے لئے لاؤس موزوں جگہ نہیں۔

صدر ایوب نے لاؤس کے بارے میں اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اگر فوجی کارروائی سے کمیونسٹوں کو لاؤس سے نکال بھی دیا جائے۔ تب بھی ملک زیادہ دیر تک کمیونسٹوں کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا امریکی نامہ نگار نے پوچھا کہ "لاؤس کے مستقبل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ اس پر صدر نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ لاؤس بھی ویٹ نام کی طرح تقسیم ہو جائے"۔

غیر جانبدار ملکوں کے متعلق سوالات کا جواب دیتے ہوئے صدر نے کہا بعض ملک اس لئے غیر جانبدار ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا مستقبل اسی میں محفوظ ہے۔ لیکن بعض ملک اس لئے غیر جانبدار بنے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح انہیں زیادہ فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ صدر ایوب نے کہا کہ امریکہ کے صدر کینیڈی کو ان لوگوں کے درمیان امتیاز کرنا پڑے گا۔ جو پہلے کسی حملہ آور کے خلاف لڑ چکے ہیں۔ اور جو پہلے کسی حملہ آور کے خلاف نہیں لڑے۔ اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسا تاریخی پس منظر یا نظریاتی اثاثہ ہے جس کی بنیاد پر ان سے یہ توقع کی جا سکے کہ وہ کسی حملہ آور کا دلجمعی سے مقابلہ کر سکیں گے۔

جاپان اور پاکستان کے درمیان فضائی معاہدہ پر دستخط ہو گئے

جاپانی کمپنیوں کے طیارے مشرقی پاکستان اور کراچی سے ہو کر جائیں گے

کراچی ۲ مئی۔ کل یہاں پاکستان اور جاپان کے نمائندوں نے ایک فضائی معاہدے کے مسودے کی منظوری دے دی ہے۔ معاہدے کی منظوری کے کاغذات پر پاکستان کی جانب سے وزارت دفاع کے جائنٹ سکرٹری مسٹر حمید الدین احمد اور جاپان کی طرف سے جاپانی سفیر ہساگماشا دزو نے دستخط کئے۔ دونوں حکومتوں کی منظوری کے بعد اس معاہدے پر عمل شروع ہو جائے گا۔ یہ معاہدہ دونوں ملکوں کے نمائندوں میں پندرہ روزہ (۱۳ سے ۲۸ اپریل تک) بات چیت کے بعد طے پایا ہے۔ اس معاہدے کے تحت جاپان کی جہاز ران کمپنیوں کے طیارے مشرقی پاکستان اور کراچی سے ہو کر جائیں گے۔ اور پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز جاپان تک اپنی سروس جاری کر سکے گی خیال ہے کہ یہ سروسیں سال رواں کے آخر تک شروع ہو جائیں گی۔ اس کے علاوہ دونوں ملک ایک دوسرے کی جہاز ران کمپنیوں سے ترجیحی سلوک کریں گے۔

— دار السلام ۲ مئی۔ کل ٹانگانیکا کو مکمل طور پر داخلی خود مختاری دے دی گئی۔ ٹانگانیکا کے وزراء کی کونسل نے کل دار السلام میں حلف وفاداری اٹھایا یہ علاقہ ۲۸ دسمبر ۱۹۶۱ء کو مکمل طور پر آزاد ہو جائیگا۔

جماعت احمدیہ کا لنڈن مشن انگلستان میں اسلام اور مسلمانوں کی دوہری خدمت سرانجام دے رہا ہے

اسلام کے خلاف پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا خاطر خواہ ازالہ اور مسلم مفادات کے تحفظ کی کامیاب علمبرداری

انگلستان میں تبلیغ اسلام کے ایمان افروز حالات پر امام مسجد لنڈن مکرم مولود احمد خان صاحب کا لیکچر

ربوہ۔ سابق امام مسجد لنڈن مکرم مولود احمد خان صاحب نے ۳۰ اپریل کو بعد نماز مغرب دار الرحمت غربی کی مسجد میں محلہ کی لوکل جماعت کے زیر اہتمام انگلستان میں تبلیغ اسلام کے ایمان افروز حالات بیان کرتے ہوئے اس امر کو بڑی خوبی سے واضح فرمایا۔ کہ جماعت احمدیہ کا لنڈن مشن سرزمین انگلستان میں اسلام اور مسلمانوں کی دو لحاظ سے نہایت قابل قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ آپ نے متعدد واقعات اور ان کی دلچسپ تفصیلات پر روشنی ڈالکر بتایا کہ جہاں لنڈن مشن کی مساعی کے نتیجہ میں ایک طرف اسلام کے خلاف صدیوں پرانی غلط فہمیاں دور ہو ہو کر اسلام کے حق میں ایک سازگار فضا پیدا ہو رہی ہے۔ وہاں دوسری طرف ہمارا مشن انگلستان میں مقیم لاکھوں مسلمانوں کے دینی، قومی اور دیگر مفادات کی علمبرداری کا فریضہ بھی کامیابی سے ادا کر رہا ہے۔

دار الرحمت غربی کی لوکل جماعت کے اس اجلاس میں صدارت کے فرائض محلہ کے صدر مکرم کیپٹن محمد سعید صاحب نے ادا فرمائے کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا جو مکرم بشیر احمد صاحب قادیانی نے کی۔ بعد ازاں مکرم مولود احمد خان صاحب نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے جماعت احمدیہ لنڈن مشن کی اہمیت اور اس کے بعض خصوصی امتیازات پر روشنی ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ لنڈن مشن یورپ میں اشاعت و غلبۂ اسلام سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور رؤیا و کشوف کی پہلی عملی تعبیر کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ پہلا تبلیغی مشن ہے جو جماعت احمدیہ کی طرف سے سرزمین یورپ میں قائم ہوا۔ اس کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کے ہاتھوں رکھی گئی۔ خود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ

(باقی صفحہ ۸)

ایڈیٹر۔ روشن دین تنویر بی۔ اے۔ ایل ایل بی

مسعود احمد پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفضل دار الرحمت غربی ربوہ سے شائع کیا

خطبہ نکاح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان اور متبعین کو ہمیشہ اپنی زندگیاں دین کی خدمت کیلئے وقف رکھنی چاہئیں

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی برکتوں کے دروازے کھول دئے ہیں بشرطیکہ تم دنیوی عزتوں کے پیچھے نہ پڑو اور دین کو دنیا پر مقدم رکھو

حقیقی عزت وہی ہے جس کے ساتھ زندہ خدا کی تائید و نصرت شامل ہو

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۱۱ رمئی سنہ ۱۹۳۹ء بمقام قادیان

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۱۱ رمئی ۱۹۳۹ء بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ قادیان میں صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کا نکاح سیدہ نصیرہ بیگم صاحبہ بنت محترم صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ کے ساتھ پڑھا اور اس موقعہ پر حضور نے ایک نہایت لطیف خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ ابھی تک شائع نہیں ہوا تھا اب صیغہ زود نویسی اس خطبہ کو اپنی ذمہ داری پر احباب کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

تشہد و تعوذ اور آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے

ایسے رنگ میں بنایا ہے

کہ بسا اوقات انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ترقی کر رہا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ اسے عروج حاصل ہو رہا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ وہ قدم بقدم آگے کی طرف بڑھ رہا ہے مگر ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ اسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ چیز جسے اس نے اپنا عروج سمجھا تھا در حقیقت اسکے زوال کی ابتدا تھی۔ جسے اس نے اپنی ترقی کی سیڑھی سمجھا تھا وہ اسکے گرنے کی تمہید تھی اور جسے وہ بڑھنا قرار دے رہا تھا در حقیقت وہ پیچھے لوٹنا تھا اس کا دل اس تصور سے خوشی محسوس کر رہا ہوتا ہے کہ وہ سیدھا جا رہا ہے وہ ایک ایسی سڑک پر چل رہا ہے جس میں کوئی خم نہیں لیکن جب وہ اس عمر کو پہنچتا ہے جو فکر اور شعور کی عمر کہلاتی ہے اور جس میں انسان غور کرنے کے بعد مختلف نتائج اخذ کرتا ہے تو یکدم

اسے محسوس ہوتا ہے

کہ وہ آگے کی طرف نہیں بڑھ رہا بلکہ پیچھے کی طرف لوٹ رہا ہے اسکی جوانی کی عمر کا جو بھی اندازہ ہوا ور یہ اندازے مختلف ہوتے ہیں کسی کی جوانی چالیس سال چلتی ہے کسی کی جوانی پچاس سال چلتی ہے کسی کی جوانی ساٹھ سال چلتی ہے اور کسی کی جوانی ستر سال چلتی ہے بہرحال اسکی جوانی کا جو بھی اندازہ ہو انسان اس عمر تک چلتا چلا جاتا ہے اور اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ جوانی کی سڑک پر چل رہا ہے مگر چلتے چلتے اسے یکدم ایک دن معلوم ہوتا ہے کہ جسے وہ چلنا سمجھ رہا تھا وہ دراصل واپس لوٹنا تھا سڑک بالکل سیدھی معلوم ہوتی ہے اور اس میں کوئی خم دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن

حقیقت اسکے برعکس ہوتی ہے

اور انسان اس سڑک پر سے گذر کر پھر واپس لوٹ رہا ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ نے انسانی زندگی میں کچھ ایسا جادو بھر دیا ہے کہ واپس لوٹنا معلوم ہی نہیں ہوتا۔ نہ اسے سڑک میں کوئی خم دکھائی دیتا ہے نہ اس کے نفس میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں ٹیڑھا ہونے لگا ہوں زمانہ کی لکیر بھی سیدھی ہی ہوتی ہے چنانچہ پچاس کے بعد اکاون ہی آتا ہے وہم نہیں آتا۔ اور اکاون کے بعد باون ہی آتا ہے اڑتالیس نہیں آتا۔ مگر باون بتا رہا ہوتا ہے کہ وہ دراصل اڑتالیس ہے اسی طرح باون کے بعد سنتالیس کبھی نہیں آئے گا آئیگا تو ترپن ہی آئیگا مگر ترپن اپنی ذات میں سنتالیس کا قائمقام ہوگا۔ اسی طرح اسّی کے بعد نوّے نوّے کے بعد سو اور سو کے بعد ایک سو دس ہی آئیگا یہ نہیں ہوگا کہ اسّی کے بعد ستر یا نوّے کے بعد اسّی یا سو کے بعد نوّے یا ایک سو دس کے بعد سو آجائے مگر حقیقتاً بعض دفعہ سو دس کے برابر ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ سو ایک کے برابر ہوتا ہے چنانچہ بعض لوگ جو

سو برس کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں

چھوٹے بچے کی طرح ہو جاتے ہیں چارپائی پر ہر وقت پڑے رہتے ہیں اور پوتے پڑپوتے انہیں رضائیوں میں لپیٹ کر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے اور انکے منہ میں دودھ وغیرہ ڈالتے رہتے ہیں۔ اس وقت بظاہر ان کی عمر سو سال کی ہی ہوتی ہے مگر دراصل ان کی عمر ایک یا دو سال کے بچے جتنی ہوتی ہے وہ سیدھے چل رہے ہوتے ہیں اور ہر ایک کو یہی نظر آتا ہے کہ وہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں مگر دراصل وہ واپس لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ نے یہ

ایک عجیب حیرت انگیز سلسلہ

جاری کیا ہوا ہے جسکو سمجھنا انسانی عقل سے بالکل بالا ہے۔ آج جس لڑکے کا نکاح پڑھانے کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں وہ مجھ سے چھوٹے سے بھی چھوٹے بھائی کا لڑکا ہے اور جس لڑکی کا نکاح ہے وہ بھی بہرحال بڑی نہیں بلکہ اس سے بڑا ایک بھائی تھا جو فوت ہو چکا ہے اس وقت میری آنکھوں کے سامنے وہ زمانہ آگیا ہے جبکہ کبھی ہم خطبہ پڑھنے والے نہ تھے خطبہ سننے والے نہ تھے بلکہ خطبہ اگر سنتے تو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے مجھے یاد ہے میں سکول کی طرف سے ایک دن آ رہا تھا۔ اس گلی میں سے گذر کر جس گلی میں سے گذر کر ہم مسجد میں آتے ہیں میرے سامنے سے قریباً میرا ہی ہم عمر ایک چھوٹا سا لڑکا گذرا میرے ساتھ اس وقت شیخ یعقوب علی صاحب یا غالباً کوئی اور دوست تھے انہوں نے اس وقت اس لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا میاں تیرا بھتیجا آگیا ہے اس وقت کی عمر کے لحاظ سے بھتیجے کو نہ معلوم میں نے کیا سمجھا

مجھے یاد ہے

میں نے یہ الفاظ سنتے ہی ایک چھلانگ لگائی اور دوڑ کر گھر گیا میرے لئے یہ فقرہ اس وقت ایسا ہی شرمناک تھا جیسے کسی کو کہہ دیا جائے کہ غلطی سے تم مجلس میں ننگے آگئے ہو میں بھی یہ فقرہ سنتے ہی دوڑ پڑا۔ انہوں نے کوشش کی کہ مجھے پکڑ کر ہم دونوں کو آپس میں ملا دیں لیکن میں ان سے پکڑا نہیں گیا۔ کچھ دنوں کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب اور غالباً قاضی امیر حسین صاحب نے کوشش کر کے ہم دونوں کو اکٹھا کر دیا اس وقت تک بوجہ اس اختلاف کے جو حضرت

مسیح موعود علیہ السلام اور مرزا سلطان احمد صاحب میں تھا اور بوجہ اسکے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مرزا سلطان احمد صاحب سے ناراض رہتے تھے ہم کبھی اکٹھے نہیں ہوئے تھے گھر اگرچہ ہمارے پاس پاس ہی تھے مگر

مرزا سلطان احمد صاحب

چونکہ باہر ملازم تھے اور ان کے بچے بھی باہر ان کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لئے اپنے بھتیجے کو دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا ان دونوں نے ہم کو اکٹھا کیا اور پھر اسکے بعد بھی یہ دونوں ہم کو آپس میں ملاتے رہے۔ اسکے بعد انہوں نے میرے کانوں میں یہ بات ڈالنی شروع کی کہ تم اپنے ابا سے کہو کہ یہ بچہ بیعت کرنا چاہتا ہے میرا نفس

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا ذکر کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا بچے نے کیا بیعت کرنی ہے۔ اس کو کیا پتہ کہ احمدیت کیا ہے؟ اور ہم کس غرض کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ مگر یہ پھر بھی میرے پیچھے پڑے رہے۔ اور مجھے کہتے رہے کہ جا کر کہو اس نے بیعت کرنی ہے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اجازت دی اور فرمایا اسے جا کر گھر میں لے آؤ۔ چنانچہ میں انہیں اپنے گھر لے گیا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت کوئی تصنیف فرما رہے تھے۔ آپ نے اس بچے کو دیکھا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کوئی بات کی جو اس وقت مجھے یاد نہیں۔ اور پھر ہم چلے آئے۔ اس کے معنے یہ تھے کہ گویا انہیں ہمارے گھر میں آنے کا پاسپورٹ مل گیا۔ پھر میں بھی بڑا ہوا اور وہ بھی بڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دستی بیعت کر لی۔ پھر خدا کی قدرت وہ علی گڑھ گئے۔ اور ۱۹۰۶ء میں ایک سٹرائک میں شریک ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سخت ناراض ہوئے اور آپ نے بدر اور الحکم میں ان کے اخراج کا اعلان کر دیا۔ بعد میں ان کے ابا نے انہیں کہا کہ جاؤ اور معافی مانگو۔ چنانچہ انہوں نے معافی مانگی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں معاف کر دیا یہ تغیرات تھے جو یکے بعد دیگرے ہوتے چلے گئے۔ پھر

مجھے وہ دن بھی یاد ہے

کہ جہاں آجکل مرزا گل محمد صاحب کی دوکانیں ہیں۔ وہاں ایک چبوترہ ہوا کرتا تھا۔ جس پر عام طور پر لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ مرزا نظام الدین صاحب اور ان کے بھائی بھی وہاں بیٹھ جاتے۔ اور بعض احمدی بھی بعض دفعہ بیٹھ جاتے۔ ہم بچے بھی کبھی وہاں کھیلا کرتے تھے۔ میری عمر اس وقت کوئی سات آٹھ سال کی تھی۔ ہم وہاں کھیل رہے تھے کہ ایک چھوٹی سی لڑکی جو چار پانچ سال کی ہوگی وہاں کھیلتی ہوئی آئی۔ اور کسی نے مجھے کہا کہ یہ لڑکی تمہارے بھتیجے عزیز احمد کی منگیتر ہے۔ (اس وقت تک شاید مرزا عزیز احمد صاحب سے میری ملاقات ابھی نہیں ہوئی تھی) میں نہیں جانتا آجکل کے بچوں میں بھی یہ احساسات ہیں یا نہیں مگر اس وقت

مجھے یہ بات بڑی ہی شرمناک معلوم ہوئی میرا دل دھڑکنے لگ گیا۔ مجھے پسینہ آ گیا اور میں نے کہا یہ منگیتر ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ بچپن میں ہی یہ بات طے ہو چکی ہوگی۔ پھر ہم بڑے ہوئے ہماری شادیاں ہوئیں اور ہمارے بچے ہوئے پھر وہ بچے پہلے چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے اور اب ان کی شادیوں کا وقت آ گیا ہے شائد پیر زادے ان پر بھی آئے ہوں۔ شائد یہ لطائف ان سے بھی گزرے ہوں۔ یہ تو وہی جانتے ہیں کہ یہ حالات ان پر گزرے ہیں یا نہیں۔ مگر بہرحال ہم پر گزرے اور۔ اور

اب وہ وقت آ گیا

کہ ہمارے بچے خود شادیوں کے قابل ہو گئے ہیں۔ اور وہی ذمہ داریاں جو ہم پر پڑیں۔ ان پر عائد ہونے والی ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ ان ذمہ داروں کو کس طرح ادا کریں گے۔ مگر بہرحال شادیوں کی خوشیاں اپنے اندر ایسا رنگ رکھتی ہیں۔ جو ہر قوم میں خوشی کے جذبات پیدا کر دیا کرتی ہیں مگر بعض خوشیاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے اندر غم کے جذبات بھی رکھتی ہیں اور انسان محسوس نہیں کر سکتا۔ فرق نہیں کر سکتا کہ غم کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اور خوشی کہاں ختم ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف دیکھا جائے تو وہ کہتا ہے۔ کہ میں بڑا خوش ہوں۔ اور دوسری نگاہ سے اسے دیکھا جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا غمگین ہوں۔ وہ کچھ

ایسا اجتماع ضدین

ہوتا ہے کہ اس کی مثال دنیا میں بہت ہی کم چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ سفیدی اور سیاہی ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔ لیکن خوشی اور غم کا اجتماع بعض دفعہ ایسا عجیب ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر انسان حیران اور دنگ رہ جاتا ہے۔ ایک ہی وقت میں انسان بہت خوش ہوتا ہے۔ اور اسی وقت انسان بہت ہی غمگین ہوتا ہے۔ مثلاً وہی شادیاں جو ان دنوں ہمارے خاندان میں ہوئیں ایسی ہی ہیں۔ میری بچی کی شادی بھی ایسی ہی تھی آج جس بچی کی شادی ہے وہ بھی ایسی ہی ہے۔ یعنی ان بچیوں کی مائیں ان کے بچپن میں ہی فوت ہو گئیں۔ نصیرہ بیگم جس کی آج شادی ہے۔ اس کی والدہ بھی بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔ جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ وہ کھیلتے ہوئے میرے پاس آئی۔ اور کسی نے مجھے کہا کہ یہ تمہارے بھتیجے کی منگیتر ہے۔ اور امۃ القیوم بیگم جو میری لڑکی ہے۔ اس کی والدہ بھی فوت

ہو چکی ہے سوایسے خوشی کے اوقات میں قدرتی طور پر انسانی ذہن ان حالات کی طرف بھی چلا جاتا ہے۔ اور یہ ایک عجیب قسم کے

مخلوط جذبات

ہو جاتے ہیں۔ کبھی انسان اپنے ذہن میں ان باتوں کو لاتا ہے کہ اگر لڑکی کی والدہ زندہ ہوتی۔ تو وہ کیسی خوش ہوتی۔ اور کبھی انسانی ذہن اس طرف جاتا ہے۔ کہ اس بچی کے دل میں کیا خیال آتا ہوگا۔ کہ اگر میری والدہ ہوتیں۔ تو وہ آج کیسی خوش ہوتیں۔ اور اور کبھی انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ انسانی فطرت کو سب سے زیادہ صدمہ پہنچانے والی جو بات تھی وہ اس بچی کو پہونچی۔ کیونکہ لڑکی کے لئے ماں کی وفات سے زیادہ صدمہ والی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ انسانی دائمہ خیال کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زمانہ حقیقی آرام کا زمانہ ہے یعنی

بچپن کا زمانہ

جس میں انسان غم کو غم اور فکر کو فکر نہیں سمجھتا۔ وہ زمانہ جو خدا نے باقی ساری دنیا کے لئے آرام کا زمانہ بنایا ہے وہ خدا کی کسی عظیم الشان مصلحت کے ماتحت اس بچی کے لئے غم کا زمانہ بن گیا۔ پس دل ڈرتا اور انسانی قلب میں یہ واہمہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کہیں اس بچی کا مستقبل بھی غمگین نہ ہو۔ غرض عجیب قسم کے جذبات مخلوط ہوتے ہیں۔ ایک طرف شادی ہوتی ہے اور ایک طرف انسانی واہمہ قسم قسم کی باتیں پیدا کر کے اس کے سامنے لاتا ہے۔ کسی اور کا کیا ذکر ہے خود

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کو ہی دیکھ لو کہ آپ نے کیسے تکلیف دہ حالات میں پرورش پائی۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے ہی پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اور آپ کی والدہ آپ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔ اور آپ کامل طور پر یتیمی کی حالت میں آ گئے۔ اس کے بعد آپ کچھ عرصہ تک اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کے پاس رہے۔ اور جب وہ بھی وفات پا گئے۔ تو اپنے چچا حضرت ابو طالب کی کفالت میں آ گئے۔ اس میں شبہ کوئی نہیں کہ انہوں نے آپ کے ساتھ بڑی محبت اور پیار کا سلوک کیا اور آپ کے

جذبات اور احساسات

کا ہر طرح خیال رکھا۔ مگر آپ کی اپنی کیفیت یہ تھی۔ کہ جب آپ کے چچا کے گھر میں

کھانا تقسیم ہوتا تو تاریخیں بتاتی ہیں کہ آپ کبھی بڑھ کر اپنی چچی سے کھانا نہیں مانگا کرتے تھے۔ بلکہ خاموشی سے ایک کونہ میں کھڑے ہو جاتے۔ دوسرے بچے شور مچاتے اور اچھل اچھل کر اپنی والدہ سے چیزیں لیتے۔ مگر آپ

ایک گوشہ میں

خاموشی کے ساتھ کھڑے رہتے گویا سمجھتے میرا اس گھر میں کیا حق ہے۔ اگر یہ لوگ مجھے کچھ کھلاتے پلاتے ہیں۔ تو درحقیقت مجھ پر احسان کرتے ہیں۔ ورنہ میرا حق نہیں کہ میں ان سے کچھ مانگ سکوں۔ غرض آپ نے اپنے بچپن کا زمانہ انتہائی

تکلیف دہ حالات

میں گزارا۔ اور پھر بڑے ہوئے تو مکہ والوں نے آپ کو اپنے مظالم کا تختہ مشق بنا لیا۔ لیکن پھر ایک دن آیا۔ جبکہ وہی جو اپنے آپ کو لاوارث سمجھتا تھا۔ جو اپنے چچا کے گھر میں بھی اپنا کوئی حق نہیں سمجھتا اور جسے مکہ والوں نے بھی انتہائی دکھ دیا تھا۔ مکہ میں

فاتحانہ طور پر

داخل ہوا۔ اور اس نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے اور انہوں نے کہا آپ ہم سے وہی سلوک کریں۔ جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ تب آپ نے فرمایا

لا تثریب علیکم الیوم

جاؤ آج تم پر کوئی گرفت نہیں میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ حالانکہ مکہ والوں نے آپ سے جو کچھ سلوک کیا تھا۔ وہ ایسا ظالمانہ تھا کہ آج بھی تاریخ میں ان واقعات کو پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ

لا تثریب علیکم الیوم

کے معنے یہ نہیں تھے کہ وہ مقام حاصل ہو گیا۔ جو

ابتدائی زمانہ

میں ایمان لانے والوں کو حاصل تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم

کے صرف اتنے معنے تھے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاف کر دیا۔ ورنہ جو مقام ابتدائی زمانہ میں ایمان لانے والوں کو حاصل تھا وہ مکہ والوں کو

حاصل نہ ہوا۔ مکہ والوں کی تو یہ کیفیت تھی کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ جا اور لوگوں کو خدائی عذاب سے ہوشیار کر تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ مجھے خدا نے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے اگر تم خدائی عذاب سے بچنا چاہتے ہو۔ تو میری آواز سنو اور خدائے واحد کے پرستار بن جاؤ۔ اس پر تمام لوگ آپ کو پاگل اور جھوٹا کہتے ہوئے منتشر ہو گئے اور انہوں نے آپ کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی اس کے مقابلہ میں حضرت ابوبکرؓ کی یہ حالت تھی کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو اس وقت وہ تجارت پر باہر کسی گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ جب آپ مکہ میں واپس آئے اور دوپہر کے وقت سانس لینے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے گھر میں بیٹھے تو ایک لونڈی دوڑتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی ہائے ہائے تیرا دوست تو آج پاگل ہو گیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے کہا۔ کونسا دوست؟ اس نے کہا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور کونسا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے تمہیں کیونکر پتہ لگا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگی آج اس نے قوم کے اندر یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فرشتے میرے پاس آتے اور مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ وہیں بیٹھے ہوئے تھے یہ سنتے ہی آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنی چادر سنبھالی۔ ہمارے ملک میں جیسے ساڑھیاں ہوتی ہیں۔ اسی قسم کی چادر اہل عرب بھی اپنے اردگرد لپیٹ لیا کرتے تھے اور ایک حصے کا تو تہ بند بنا لیتے اور دوسرا اوپر لپیٹ لیتے۔ انہوں نے جلدی سے چادر درست کی۔ جوتی پہنی اور سیدھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پہنچے اور دستک دی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے کہا اے میرے دوست کیا یہ سچ ہے کہ تو کہتا ہے فرشتے مجھ پر نازل ہوتے اور مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ آپ کو ٹھوکر نہ لگے چاہا کہ ابوبکرؓ کو پہلے یہ مسئلہ سمجھا لوں اور پھر کوئی اور بات کروں چنانچہ آپ نے فرمایا ابوبکرؓ دیکھو بات یہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں نے آپ سے ایک سوال کیا ہے آپ کا فرض صرف اتنا ہے کہ میرے سوال کا جواب دیں۔ آپ مجھے کوئی اور بات نہ بتائیں۔ میں نے

آپ سے صرف یہ سوال کیا ہے

کہ کیا یہ درست ہے کہ فرشتے آپ پر نازل ہوتے اور آپ سے کلام کرتے ہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر چاہا کہ جواب دینے سے پہلے میں ان کو مسئلہ سمجھا لوں تاکہ ٹھوکر نہ لگے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ دیکھو بات یہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے ہاں یا نہ میں جواب دے دیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ آپ جواب دے دیتے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ یہ بات تو سچی ہے اور اس کے ساتھ ہی آپ کے دل میں اس خیال سے افسردگی پیدا ہوئی کہ ابوبکرؓ جو میرا پرانا دوست تھا یہ بھی میرے ہاتھ سے گیا۔ مگر جب آپ نے کہا ابوبکرؓ بات تو یہی ہے کہ فرشتے مجھ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا ـــ ـ ـ ـ آپ گواہ رہیں کہ میں آپ پر ایمان لایا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکرؓ تم مجھے بات تو پوری کر لینے دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ نے آپ کو پوری بات اس لئے نہیں کرنے دی کہ جب میں نے ہمیشہ آپ کو

صادق اور راستباز پایا ہے

تو اب میں اپنے ایمان کو دلیلوں سے کیوں خراب کروں۔ اب یہ کیونکر ممکن تھا کہ ابوبکرؓ اور وہ لوگ برابر ہو جاتیں جو فتح مکہ کے وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ بے شک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا عفو وسیع تھا۔ بے شک آپ نے انہیں لاتثریب علیکم الیوم کہہ دیا مگر لاتثریب علیکم الیوم کہنا بالکل اور چیز ہے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ اور ان دوسرے صحابہ کا مقام بالکل اور چیز ہے۔ جو ابتدائی زمانہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے

ابتدائی زمانہ میں ایمان لانے والوں کے مقام

کا اندازہ تم اس سے لگا سکتے ہو کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ اس دوران میں حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ پر ہاتھ ڈالا اور ان کا کپڑا پھٹ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال گذرا کہ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو آپ ناراض ہوں گے۔ ادھر کسی شخص نے انہیں خبر دی کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتے دیکھا ہے۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت گھر گئے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں گئے تھے۔ یہ دوڑے دوڑے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہنے لگے یا رسول اللہ آج مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے۔ میں ابوبکرؓ سے لڑ پڑا ہوں۔ اتنے میں کسی شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جا کر خبر دی کہ عمرؓ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اور خبر نہیں وہ بات کو کس رنگ میں بیان کریں۔ حضرت ابوبکر بھی جلدی سے روانہ ہوئے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے۔ جب آپ دروازے میں سے داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر شدت غضب کے آثار ہیں اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں کہ اے لوگو! کیا تم میرا اور اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑو گے جس نے مجھے اس وقت قبول کیا۔ جب ہر شخص کے دل میں کجی پائی جاتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت

رقت اور زاری کی حالت میں

کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ میرا قصور تھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ عمر کا قصور نہیں قصور میرا ہی تھا۔ ان واقعات کو دیکھ کر سوچو کہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خدا تعالےٰ ایسے لوگوں کی قربانیوں کو بھلا دیتا پس لاتثریب علیکم الیوم نے ظاہر طور پر بے شک انہیں سزا سے بچا لیا اور ان کی گردنیں کٹنے سے بچ گئیں مگر وہ عزت ان کو کس طرح حاصل ہو سکتی تھی جو ان لوگوں کو حاصل تھی جو ابتدائی زمانہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے چنانچہ اس واقعہ پر کئی سال گذر گئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے ان کی خلافت پر بھی کئی سال گذر گئے تو

ایک حج پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے۔ اب وہ زمانہ نہیں تھا جبکہ اونٹ چرانے والے عرب بدوی سمجھے جاتے ہوں۔ بلکہ وہ زمانہ تھا جبکہ

قیصر و کسریٰ کے ایلچی

ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر منتیں کرتے اور کہتے کہ ہمیں معاف کر دیا جائے۔ پس آج عرب کے رؤسا کی کیا حیثیت تھی۔ بڑے بڑے بادشاہ ان کے قدموں میں بیٹھنے پر فخر کرتے تھے اور آج عمرؓ کی حیثیت بھی معمولی نہ تھی بلکہ دنیا کے ایک زبردست بادشاہ کی تھی چاروں طرف سے وفد آ رہے تھے اور اپنی عرضداشتیں آپ کی خدمت میں پیش کر رہے تھے۔ مکہ کے وہ بڑے بڑے خاندان جو آخر دم تک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے لڑتے رہے اور جنہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لاتثریب علیکم الیوم کہا تھا وہ بھی آج آئے ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے خواہشمند تھے۔ کیونکہ آج عمرؓ سے ملنا کوئی معمولی بات نہیں تھی بلکہ

دنیا کی سب سے بڑی عزت

سمجھی جاتی تھی چنانچہ وہ عرب کے رؤسا آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک غریب مسلمان جس کے تن پر پورے کپڑے بھی نہ تھے آیا اور اس نے کہا السلام علیکم یا امیر المومنین۔ آپ نے فرمایا وعلیکم السلام پھر آپ نے پاس بیٹھے ہوئے رؤسا سے فرمایا۔ ذرا ان کے لئے جگہ چھوڑ دینا چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئے اور اس صحابیؓ کو آپ نے دائیں طرف بٹھا لیا۔ وہ بیٹھے ہی تھے کہ مکہ کا ایک اور غریب صحابیؓ جو کسی زمانہ میں غلام تھا آیا اور اس نے کہا السلام علیکم یا امیر المومنین۔ آپ نے فرمایا وعلیکم السلام اور ان رؤسا سے فرمایا ذرا پیچھے ہٹ جاؤ اور ان کے لئے جگہ خالی کر دو وہ پیچھے ہٹ گئے اور اس صحابیؓ کو بھی حضرت عمرؓ نے اپنے قریب بٹھا لیا اسی طرح صحابیؓ کے بعد صحابیؓ آتا چلا گیا۔ وہی صحابی جن کو مکہ کے رؤسا سخت تنگ کیا کرتے تھے ان میں وہ بھی تھے جن کو وہ پتھروں پر گھسیٹا کرتے تھے ان میں وہ بھی تھے جن کے سروں پر جوتیاں مارا کرتے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جنکے ناک میں آگ کا دھواں پہنچایا جاتا اور کہا جاتا لا الٰہ الا اللہ کا انکار کرو گے تو تمہیں چھوڑیں گے ورنہ نہیں اور ان میں وہ بھی تھے جن کی آنکھیں انہوں نے نکالی تھیں۔ غرض ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا صحابیؓ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اپنے پاس بٹھاتے چلے گئے

اور رؤسا سے یہی کہتے چلے گئے کہ ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔

یہاں تک کہ دروازہ میں صفِ صحابہؓ سے بھر گئی۔ پھر بائیں صف بھرنی شروع ہوئی اور وہ بھی پُر ہو گئی۔ اور صرف جوتیوں میں بیٹھنے کو جگہ رہ گئی۔ رؤسائے مکہ وہاں آ کر بیٹھے اور پھر اُٹھ کر ڈیوڑھی میں چلے گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا

ہم کون لوگ ہیں؟

انہوں نے کہا مکہ کے رئیس۔ اور یہ کون لوگ ہیں جن کو مجلس میں جگہ دی گئی۔ انہوں نے خود ہی کہا مکہ کے وہ ذلیل ترین لوگ جو ہمارے خدمت گذار ہوا کرتے تھے پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ کیا تم نے دیکھا کہ آج ہم سے کیا سلوک ہوا ہے ایک ایک کر کے فقیر اور غریب لوگ آگے بٹھائے گئے اور عمرؓ نے ان کو ہم پر ترجیح دی یہاں تک کہ ہم کو جوتیوں میں بیٹھنا پڑا۔ کیا اس سے بڑھ کر ہماری کوئی اور بھی ذلت ہو سکتی ہے۔ ان میں سے ایک جو زیادہ شریف الطبع تھا اور اپنے اندر روحانیت رکھتا تھا اس نے کہا یہ بالکل ٹھیک ہے۔ کہ یہ ذلت ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ مگر کیا ہم خود اس ذلت کے ذمہ دار نہیں۔ ہم نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا اور آپ پر ایمان لانے والوں کو دکھ دیا۔ مگر یہ وہ لوگ تھے جو آپ کے ساتھ رہے۔ پس اب ہمارا اور ان کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ بھی اس بات کو سمجھ گئے اور

انہوں نے تسلیم کیا

کہ یہ سب ہماری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ مگر انہوں نے کہا اب اس کا کوئی علاج بھی ہو سکتا ہے اور کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی جس سے ذلت اور رسوائی کا یہ بدنما داغ ہم سے دور ہو سکے۔ تب وہی جو ان سب میں سے زیادہ سمجھ دار تھا۔ پھر بولا اور اس نے کہا عمرؓ سے ہی اس کا علاج دریافت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے پھر سے اجازت مانگی اور وہ آپ کی خدمت میں جا کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے آج جو کچھ ہم سے سلوک ہوا ہے ہم اس کے بارہ میں کچھ عرض کرنے آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان انساب عرب یاد رکھنے میں نہایت مشہور تھا اور آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ خاندانی لحاظ سے کس عظمت کے مالک ہیں۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور آپ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ میں معذور ہوں۔ تم جانتے ہو یہ وہ لوگ ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور اس وجہ سے میرا فرض تھا کہ میں ان کو مقدم رکھتا۔ انہوں نے کہا ہم یہ بات سمجھ کر ہی آئے ہیں۔ مگر اب ہم آپ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا اب کوئی ایسی صورت نہیں جس سے یہ بدنما داغ ہم سے دور ہو سکے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب تھے

یہ سنتے ہی آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام نظارہ آ گیا کہ کس طرح یہ لوگ لمبی لمبی تہہ بند باندھ کر بیٹھا کرتے اور لوگ ان کے سامنے یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ جوڑا کرتے تھے کہ آپ ہمارے بادشاہ اور سردار ہیں اور پھر کس طرح اسی سرداری اور حکومت کے گھمنڈ میں وہ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔ یہ تمام نظارے یکے بعد دیگرے آپ کی آنکھوں کے سامنے آ گئے اور آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ الفاظ آپ کے منہ سے نہیں نکل سکے۔ آپ نے کوشش کی کہ زبان سے ان کی بات کا جواب دیں مگر رقت کے غلبہ کی وجہ سے آپ جواب نہیں دے سکے۔ صرف آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور شمال کی طرف جہاں ان دنوں لڑائی ہو رہی تھی۔ اشارہ کر کے کہا وہاں۔ یعنی اب تمہاری

اس ذلت کا صرف ایک ہی علاج ہے

اور وہ یہ کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور اس جہاد میں شامل ہو جاؤ جو شام میں کفار سے کیا جا رہا ہے اور وہاں مارے جاؤ۔ چنانچہ وہ خاموشی سے اٹھے اور انہوں نے کہا ہم ممنون ہیں کہ آپ نے ہمیں یہ مشورہ دیا۔ ہم اب اس مشورہ پر عمل کر کے رہیں گے۔ چنانچہ وہ چھ نوجوانوں کا قافلہ وہاں سے نکلا اور وہ چھ کے چھ ہی شام میں مارے گئے۔ ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں آیا۔ اس واقعہ سے ہمیں ایک عظیم الشان سبق ملتا ہے اور وہ یہ کہ یہی غم کے حالات ہمارے لئے بھی کمال خوشی اور ترقی کا ذریعہ بن سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور بشرطیکہ ہم کلیۃً خدا تعالیٰ کے ہو جائیں۔ جس خدا نے ابو طالب کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے بھتیجے کو عظیم الشان ترقی دی اور اسے انتہائی کمال عطا فرما دیا۔ اس خدا کے خزانے آج ختم نہیں ہو گئے۔ آج بھی اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ آج بھی وہ اپنے پیاروں کی خاطر اسی قسم کے نظارے دکھانے کی قدرت رکھتا ہے چنانچہ بعینہٖ

اسی قسم کا نظارہ

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق دکھایا۔ آپ فرماتے ہیں ؎

لفاظات الموائد کان اُکلی
وصرت الیوم مطعام الاھالی

کہ کسی زمانہ میں یہ حال تھا کہ لوگ اپنے دسترخوان سے بچا کھچا اٹھا کر میرے آگے رکھ دیتے اور جو کچھ وہ دیتے میں کھا لیا کرتا۔ مجھے ان سے جو کچھ ملتا میں اسے ان کا رحم سمجھتا تھا یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ اس چیز پر میرا کوئی حق بھی ہے۔ مگر آج وہ دن ہے کہ کروڑوں کے گھر اور خاندانوں کے خاندان میرے ذریعہ پل رہے ہیں۔ میں نے بعض بوڑھے لوگوں سے اپنی تائی صاحبہ کے متعلق سنا ہے اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ وہ بعد میں احمدی بھی ہو گئیں اور موصیہ بھی بن گئیں اور اب بہشتی مقبرہ میں دفن ہیں۔ مگر لوگ سنایا کرتے تھے کہ جوانی کے ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں جب کوئی مہمان آتا اور آپ کھانا تیار کرنے کے لئے کہتے تو وہ کہلا بھیجتیں کہ تمہارے مہمانوں کے لئے ہمارے پاس کوئی کھانا نہیں۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بہانے مہمان کو اپنا کھانا کھلا دیتے اور خود فاقہ کر لیتے اور بعض دفعہ جب کوئی کہتا کہ بی بی یہ تو آدھی جائیداد کا مالک ہے۔ آپ اس سے ایسا سلوک کیوں کرتی ہیں۔ تو وہ کہتیں "ایہہ سارا دن مسیتے بیٹھا رہندا اے ایس دا جائداد نال کی تعلق اے" یعنی یہ سارا دن مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اس کا جائیداد سے کیا تعلق ہے۔ یہ ہمارا پنجابی محاورہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ جب فلاں شخص اپنے بھائیوں کا ہاتھ نہیں بٹاتا تو اس کا جائداد سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اب کجا وہ حالت کہ

قادیان ایک کوردہ تھا

جس کو دنیا میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا اور کجا یہ حالت کہ خدا تعالیٰ نے دین کی تمام ترقیات کا مرکز قادیان کو بنا دیا۔ اور آئندہ اسلام کو جو بھی عظمت حاصل ہو گی اس عظمت کی بنیاد رکھنے والی فوجیں یہیں سے تیار ہو کر نکلیں گی۔ مجھے یاد ہے ہم چھوٹے بچے تھے تو تائی صاحبہ ہمیں دیکھ کر ہمیشہ یہ کہا کرتی تھیں کہ "جیہو جیہا کاں اوہو جیہی کوکو" کہ جیسے باپ خراب ہے ویسے ہی اس کے بچے بھی ہیں۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے الگ رہتے تھے اس لئے وہ آپ کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں اور انہیں شکوہ رہتا تھا کہ وہ مجھے آ کر سلام نہیں کرتا۔ تو خدا تعالیٰ کے ان زندہ معجزات کو دیکھنے کے بعد کیونکر ممکن ہے کہ لوگ دین کو دنیا پر مقدم کریں اور پھر خدا ان کے لئے بھی

اپنے تازہ معجزات اور نشانات

نہ دکھائے [illegible] غلطی ہے

کہ وہ سمجھتے ہیں اصل عزت وہ ہے جو دنیا کی طرف سے ملتی ہے۔ حالانکہ اصل عزت وہ ہے بلکہ حقیقی عزت وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ مرزا سلطان احمد صاحب جو میرے بڑے بھائی تھے وہ ڈپٹی کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے تھے اور دنیوی لحاظ سے ان کی اچھی عزت تھی۔ لیکن تم سمجھتے ہو اگر وہ میری بیعت نہ کرتے تو ان کو وہ مقام حاصل ہو سکتا جو آج حاصل ہے۔ آج لاکھوں لوگ ان کا نام ادب سے لیتے اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں لیکن اگر وہ میری بیعت نہ کرتے تو لاکھوں لوگ ان کا نام لیتے ہی منہ پھیر لیتے۔ تو دنیا کی افسری اور گورنمنٹ انگریزی کے عہدے کسی کام نہیں آ سکتے۔ صرف

اطاعت ہی تھی

جو ان کے کام آ گئی۔ کیونکہ بڑے بھائی کا ایک چھوٹے بھائی کی بیعت کرنا جو اس کے بچوں کے برابر ہو معمولی قربانی نہیں ایک تلخ گھونٹ تھا جو ان کو پینا پڑا۔ مگر اس تلخی نے ان کی ہمیشہ کی زندگی کو سنوار دیا۔ گذشتہ دنوں جب چیف جسٹس صاحب یہاں آئے تو وہ مجھے باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ اگر آپ کے والد زندہ ہوتے تو وہ آپ کی بیعت کر لیتے۔ میں نے انہیں کہا کہ میرے والد تو بانیٔ سلسلہ تھے اور میں ان کا دوسرا خلیفہ ہوں۔ پس ان کی بیعت کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ جب میں خلیفہ ہوا ہوں تو میرے نانا زندہ تھے اور انہوں نے میری بیعت کی۔ اسی طرح والدہ نے میری بیعت کی۔ اور پھر میرے بڑے بھائی نے میری بیعت کی انہوں نے یہ باتیں سن کر بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہا یہ بہت بڑی قربانی ہے۔

ولادت

(از محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس)

عزیزم مکرم عبدالعزیز دین صاحب کو جو لنڈن ڈیپو میں رہتے ہیں اور مخلص احمدی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے نومولود کا نام رکھنے کے لئے درخواست کی گئی تھی۔ جناب پرائیویٹ سیکرٹری صاحب لکھتے ہیں کہ حضور نے مکرم عبدالعزیز دین صاحب کے بچے کی پیدائش پر مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "عبدالرشید نام رکھیں"۔

اللہ تعالیٰ مولود مسعود کو نیک اور خادم دین بنائے اور لمبی عمر عطا فرمائے۔

کراچی میں خاکسار کی بچی بیمار ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے۔ آمین (صوفی عبدالحکیم)

تو اللہ تعالیٰ کا ہو جانا بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیان کو خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو اسلئے بنایا ہے کہ وہ

دین اسلام کی خدمت کریں

اور دین کو عزت کے مقام پر پہنچائیں۔ اس لئے نہیں بنایا کہ وہ دنیا کمائیں اور جس کسی نے تمام عمر مشغول دین اور یہی شرف اور عفت ہے جس کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فرد اس سے بہت زیادہ عزت رکھتا ہے۔ جتنی عزت دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا آدمی رکھتا ہے۔ آج یہ عزت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ عزت کرنے والے معمولی لوگ ہیں۔ لیکن جب بادشاہ اس سلسلہ میں داخل ہوئے اور انھوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے افراد کی عزت کی تو اس وقت لوگ محسوس کرینگے کہ اس خاندان کے افراد کو کتنی بڑی عظمت حاصل ہے یہ نہیں کہ اس وقت عزت زیادہ ہو جائے گی۔ عزت تو اسی قدر ہوگی۔ جتنی آج ہے۔ مگر چونکہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب بڑے آدمی عزت کریں تو وہ عزت بڑی ہوتی ہے۔ اور جب چھوٹے عزت کریں۔ تو وہ عزت معمولی ہوتی ہے۔ اسلئے جب بادشاہ اور بڑے حکام عزت کرینگے تو اس وقت لوگ کہیں گے کہ اس خاندان کی عزت بہت زیادہ ہو گئی۔ حالانکہ عزت تو آج بھی حاصل ہے۔ مگر چونکہ عزت کرنے والے اکثر معمولی آدمی ہیں۔ اسلئے لوگوں کو یہ عزت کوئی بڑی دکھائی نہیں دیتی بہرحال

خدا یہ فیصلہ کر چکا ہے

کہ وہ اس خاندان کو ترقی دے۔ چنانچہ جب خدا کہتا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔ تو اس کا یہی مفہوم ہے کہ کپڑے جو تھوڑی دیر کے لئے ملابست حاصل کر سکتے ہیں۔ جب خدا ان کو یہ برکت دے گا تو وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے افراد ہوں گے۔ ان کو کیوں عزت نہیں دے گا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذریت کو ہمیشہ دین کی خاطر اپنی زندگیاں بسر کرنی چاہئیں۔ کیونکہ انہی لوگوں نے برکتیں حاصل کرنی ہیں۔ اگر وہ ان برکتوں کے وارث ہونا چاہیں اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کریں۔ تو ان کے حق میں بہت سے خدائی وعدے موجود ہیں۔ لیکن اگر وہ دین کی خاطر اپنی زندگیاں بسر نہیں کریں گے تو خدا تعالیٰ کو تو کسی کی پرواہ نہیں۔ وہ غنی عن العالمین ہے وہ اپنے روحانی فضل ان سے اٹھا لے گا۔ بیشک دنیا اس وقت بھی ان کی عزت کرے گی۔ کیونکہ جو خاندان ایک دفعہ اونچا ہو جائے لوگ ایک لمبے عرصہ تک اس کی عزت کرنے پر مجبور رہتے ہیں لیکن خدا کے حضور ان کی کوئی عزت نہیں ہوگی۔ جیسے آج کئی سید ہیں مگر نو مسلموں سے بھی بدتر ہیں۔ لیکن انہیں شاہ صاحب شاہ صاحب ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے سید کی نسبت اس ادنیٰ انسان کی زیادہ عزت ہوتی ہے جو اسلام کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ پس ظاہری عظمت کچھ چیز نہیں۔ اصل عظمت وہی ہے جو روحانی رنگ میں حاصل ہوتی ہے۔ ظاہری عظمت تو اب ہمارے خاندان کی خدا تعالیٰ کے فضل سے چلتی چلی جائے گی۔ کیونکہ جو خاندان بڑے ہو جائیں۔ اس کے افراد گو بعد میں روحانی اور اخلاقی لحاظ سے گر بھی جائیں

دنیا ان کا ادب کرتی ہے

مگر بہرحال اس وقت ان کی حیثیت آثار قدیمہ کی سی ہوتی ہے۔ جس طرح بعض دفعہ پرانی پھٹی ہوئی جوتی کو احتیاط سے اٹھا لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیمور کی پھٹی ہوئی جوتی ہے۔ حالانکہ اپنے زمانہ میں اس پھٹی ہوئی جوتی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اسی طرح بڑے خاندان کے افراد اگر بعد میں خراب بھی ہو جائیں تو آثار قدیمہ سمجھتے ہوئے ان کی کچھ عزت کی جاتی ہے۔ لیکن وہ حقیقی عزت نہیں ہوتی۔ حقیقی عزت وہی ہے۔ جس کے ساتھ زندہ خدا کی نصرت شامل ہو۔ اور اگر کسی کے ساتھ زندہ خدا کی نصرت شامل نہیں تو خواہ لوگ اسے کس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھیں وہ مردود اور روحانی لحاظ سے مردہ ہے اور قطعاً زندہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ بیشک وہ لوگوں کو زندہ دکھائی دیتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مردہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی روحانی قوتیں مردہ اور بیکار ہوتی ہیں جیسے حضرت مسیح موعود نے جب

عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی

کی کہ اگر وہ اسلام کے خلاف بدزبانی سے باز نہ آیا تو پندرہ ماہ کے اندر ہلاک ہو جائے گا۔ اور آتھم نے اس عرصہ میں پیشگوئی کی ہیبت سے متاثر ہو کر اپنے رویہ میں تبدیلی کر لی اور وہ ہلاکت سے بچ گیا۔ تو اس پر مخالفین نے بہت شور مچایا اور کہا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اس زمانہ میں جو نواب صاحب بہاولپور تھے اور جن کا نام صبح بہار صادق یا کچھ اور تھا ایک دن ان کی مجلس میں بھی اس پیشگوئی کا ذکر آ گیا اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مرزا صاحب قادیانی کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اور درباریوں نے بہت کچھ ہنسی اور استہزاء سے کام لینا شروع کر دیا۔ ہنسی مذاق ہو رہا تھا کہ نواب صاحب بھی اس میں شامل ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہاں یونہی لوگ پیشگوئیاں کر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا رسیدہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جب پیشگوئی پوری نہیں ہوتی تو ان کی قلعی کھل جاتی ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کس روحانیت کے مالک تھے

نواب صاحب کے پیر چاچڑاں شریف والے

بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ جب تک لوگ مذاق کرتے رہے وہ خاموشی سے بیٹھے رہے مگر جب نواب صاحب بھی شریک ہو گئے تو چونکہ وہ نواب صاحب کے پیر تھے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ بھی لیا کرتے تھے اس لئے وہ جوش میں آ گئے اور انہوں نے نواب صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ تم کو کیا معلوم ہے کہ پیشگوئیاں کیا ہوتی ہیں اور تم ایسی باتوں میں کیوں دخل دیتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ آتھم زندہ ہے مجھے تو اس کی لاش اپنے سامنے نظر آ رہی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ آتھم اس وقت روحانی لحاظ سے زندہ نہیں تھا بلکہ مر چکا تھا کیونکہ جب اسے کہا گیا کہ تم جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہو کہ وہ نعوذ باللہ جھوٹے اور دجال تھے۔ اگر تم اپنی اس شرارت سے باز نہ آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے کلمات کا استعمال تم نے ترک نہ کیا تو پندرہ ماہ کے اندر تم ہاویہ میں گرائے جاؤ گے۔ تو اس نے یہ پیشگوئی سنتے ہی اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا اور کہا میری توبہ۔ میں آئندہ ایسے الفاظ نہیں کہوں گا۔ پس وہ مردہ تو ہو چکا۔ کیونکہ جس مذہب اور جس عقیدہ پر وہ پہلے ایمان رکھتا تھا اس کو اس نے اپنے عمل سے باطل ثابت کر دیا۔ اور گویا وہ پہلا آتھم نہ رہا بلکہ پہلے

آتھم پر ایک موت آ گئی

اور اب ایک نیا آتھم بن گیا۔ یہی بات چاچڑاں شریف والے جو پیر تھے انہوں نے بھی کہی اور فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو کہ آتھم زندہ ہے مجھے تو اس کی لاش سامنے نظر آ رہی ہے۔ تو بہت سے لوگ بظاہر زندہ نظر آتے ہیں مگر حقیقتاً وہ مردہ ہوتے ہیں۔ اور بہت سے بظاہر معزز دکھائی دیتے ہیں۔ مگر حقیقتاً وہ ذلیل ہوتے ہیں۔ عزت وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اور زندگی وہی ہے جس کا جام اس کی طرف سے تقسیم ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان اور آپ کے متبعین کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے

برکتوں کے دروازے

کھول دیئے ہیں۔ بشرطیکہ وہ دنیوی عزتوں کا حصول اپنا منتہا قرار نہ دیں۔ دنیا کمانی منع نہیں مگر دنیا کا ہو رہنا منع ہے۔ اسی طرح روٹی کمانا منع نہیں۔ مگر دین کو دنیا پر مقدم نہ رکھنا اور آٹھوں پہر روٹی کمانے میں مشغول رہنا منع ہے مومن کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ دنیا کے لئے اتنا وقت خرچ کرے جتنے وقت کے بعد اسے روٹی مل جائے۔ اور اس سے زائد وقت جتنا ہو اسے خدا کے دین کے لئے صرف کرے مگر دنیا کی ترقی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا۔ یہ چیز ہے جس کو خدا ان لوگوں کے لئے پسند نہیں کرتا جن کے لئے اس نے روحانی اور اخروی عزتیں مقدر کی ہوئی ہوں۔ اور لوگ اگر دنیا کمانے میں اس طرح مشغول ہو جائیں تو وہ ان کو معاف بھی کر دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ لوگ اس طرف متوجہ ہوں جن کو اس نے اپنی طرف سے عزت دینے کا وعدہ کیا ہو تو وہ ان کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ غرض میں یہ بتا رہا تھا کہ ہمارے ملک میں

بے ماں کے بچوں کی شادیاں

بھی رقت پیدا کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اور کئی قسم کے جذبات دل میں اٹھنے لگ جاتے ہیں گویا آج ہماری مثال بالکل وہی ہے جو فتوحات مکیہ میں محی الدین صاحب ابن عربی نے لکھی ہے وہ لکھتے ہیں ایک دفعہ میں کہیں جا رہا تھا کہ رستہ میں میں نے ایک درخت پر ایک کوے اور کبوتر کو اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ وہ بیٹھے رہے اور بیٹھے رہے اور بیٹھے رہے اور میں دل میں یہ سوچتا رہا کہ کوے اور کبوتر کا آپس میں کیا جوڑ ہے۔ مگر مجھے کچھ پتہ نہ لگا۔ بلکہ میں نے تہیہ کر لیا کہ میں اس کی حکمت معلوم کر کے جاؤں گا۔ چنانچہ میں وہیں بیٹھ گیا اور کافی دیر بیٹھا رہا۔ آخر وہ دونوں اڑے تو مجھے معلوم ہوا کہ دونوں ہی لنگڑے ہیں اور اس مناسبت کی وجہ سے وہ ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ وہ تو کوے اور کبوتر کا اجتماع بے جوڑ سا نظر آتا تھا۔ مگر

دو شادیاں ایسی ہوئی ہیں

جن میں دونوں لڑکیاں بے ماں کے ہیں۔ یعنی میری لڑکی امۃ القیوم کی والدہ بھی فوت ہو چکی ہے۔ اور نصیرہ بیگم کی والدہ بھی عرصہ ہوا فوت ہو چکی ہے۔ ان شادیوں کا تصور کر کے میرا ذہن اس طرف گیا کہ بے شک یہ جذبات کو ابھارنے اور افکار میں ایک انگیخت پیدا کرنے والی چیز ہے۔ مگر اس غم پر غالب آنے کی قوت یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو دیکھ کر پیدا ہو سکتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہماری بچیاں تو بے ماں کے ہیں مگر محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ بھی بچپن میں فوت ہو چکی تھیں اور ان کے والد بھی بچپن میں وفات پا چکے تھے اور اس طرح وہ بے باپ اور بے ماں کے تھے۔ پھر آپ کو پرورش کرنے والے ایسے لوگ نہیں ملے جیسے پرورش کرنے والے ہماری بچیوں کو ملے ہیں۔ گو اپنی نسبت کچھ کہنا معیوب سا دکھائی دیتا ہے مگر

میں سمجھتا ہوں

کہ میں نے اپنی بچی کا اس حد تک خیال رکھا ہے جس حد تک دنیا میں کوئی باپ اپنی بچی کا خیال رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح میں جانتا ہوں کہ مرزا عزیز احمد صاحب نے بھی اپنی لڑکی کا بہت خیال رکھا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے والے ان کے چچا تھے اور چچا کے متعلق بھتیجا یہی سمجھا کرتا ہے کہ اگر وہ مجھے پالتا ہے تو مجھ پر احسان کرتا ہے۔ اپنی ماں اور اپنے باپ پر تو وہ اپنا حق سمجھتا ہے مگر کسی دوسرے سے اسے چیز مانگتے ہوئے حجاب آتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ میں اس سے کیوں مانگوں میرا کوئی حق تو نہیں تو وہ حالت جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تھی اور وہ

بے بسی کی کیفیت

جو اس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم الگ ایک گوشے میں کھڑے رہتے۔ اور اگر کچھ کھانے کو مل جاتا تو لے لیتے نہیں تو زبان سے کچھ نہ کہتے۔ ہماری بچیوں کی حالت اس سے بدرجہا بہتر رہی۔ مگر پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت بھی بدل گئی اور اس میں اتنا زبردست اور عظیم الشان تغیر آگیا کہ آپ ساری دنیا کے مالک بن گئے اور تمام جہان آپ کے قدموں میں گر گیا۔ اسی طرح ان بچیوں اور ان سے تعلق رکھنے والوں کے بھی اختیار میں ہے کہ وہ اگر چاہیں تو ترقی کر سکتے اور بہت زیادہ عزت اور عظمت حاصل کر سکتے ہیں۔ الخ

وہ خدا تعالےٰ کے ہو جائیں

تو ان کو بھی عزت مل سکتی ہے اور ان کے غم اور دکھ بھی خوشی سے بدل سکتے ہیں باقی رہی مرنے والوں کی جدائی سو یہ تو ایک عارضی جدائی ہے چنانچہ موت کی خبر سن کر اسلام نے زبان سے جو کلمہ کہنے کا ارشاد فرمایا ہے وہی اس قدر امید افزا ہے کہ اس کو زبان سے نکالنے کے بعد کوئی کلفت باقی نہیں رہتی۔ اسلام کہتا ہے جب کسی کی موت کی خبر سنو تو تم کہو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی اے مرنے والے ہم اللہ کے ہیں اور جہاں تم جا رہے ہو وہیں ایک دن ہم بھی آ رہے ہیں گے۔ دنیا کی جدائیوں میں بیشک تکلیف ہو سکتی ہے۔ مگر اس آخری جدائی میں جو موت کی جدائی ہے اگر انسان ایمان پر قائم ہو تو کوئی زیادہ تکلیف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون میں اللہ تعالےٰ نے ملاقات کا وعدہ دیا ہوا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے

کہ انسان خدا تعالےٰ کے وعدوں اور اس کی باتوں کی عظمت کو سمجھتا ہو۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک ہوا چل رہی ہے۔ جو شخص خدا تعالےٰ کی اس چلائی ہوئی ہوا کے موافق چلتا ہے وہ سرعت کے ساتھ آگے کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مگر وہ جو خدا تعالےٰ کی چلائی ہوئی ہوا کے مخالف چلتا ہے وہ گرتا ہے اور پھر سنبھلتا ہے۔ پھر گرتا ہے اور پھر سنبھلتا ہے۔ یہاں تک کہ آخری دفعہ ایسا گرتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے گر جاتا ہے۔

فرانسیسی باغیوں کی تلاش میں الجزائر کے ہر شہر میں چھاپے

باغیوں کا تقسیم کیا ہوا اسلحہ ابھی تک پولیس کو واپس نہیں ملا

الجزائر ۲ مئی فرانسیسی پولیس نے الجزائر کے ہر شہر میں ان لوگوں کی تلاشی شروع کر دی ہے جن کے بارے میں یہ شبہ ہے کہ انہوں نے گذشتہ ہفتے چار فوجی جرنیلوں کی شروع کی ہوئی فوجی بغاوت کی اعانت اور تائید کی تھی۔ اس سلسلے میں ان فرانسیسی غیر فوجیوں کی بھی وسیع پیمانے پر تلاشیاں ہو رہی ہیں جنہیں باغیوں نے اسلحہ مہیا کر دئے تھے۔ لیکن انہوں نے بغاوت کے خاتمہ کے بعد یہ اسلحہ واپس نہیں کئے۔

پچھلے ہفتے باغیوں نے جو اسلحہ تقسیم کئے تھے ان کی تلاش میں بھی پولیس نے چھاپے مارے اور اس سلسلے میں تمام سڑکوں اور بازاروں میں ناکہ بندی کر کے ہر موٹر کار کو روکا اور اس کی تلاشیاں لیں۔ سرکاری اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ اب تک صرف ۸۲۵۰ اسلحہ واپس ہوئے ہیں اور یہ تعداد ان اسلحہ سے بہت کم ہے جو درحقیقت باغیوں میں تقسیم کئے گئے تھے۔

ادھر تمام سرکاری محکموں کو جو پولیس یا سکیورٹی سے متعلق ہیں ان درجنوں افراد کے فوٹو مہیا کر دئے گئے ہیں۔ جو اب تک روپوش ہیں اور حکام کے ہاتھ نہیں آئے۔ حکام کا خیال ہے کہ اس طریق کار کی بدولت انہیں جلد کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

انگلستان میں تبلیغ اسلام کے ایمان افروز واقعات

(بقیہ صفحہ اول)

اس میں دو بار تشریف لے گئے۔ پہلی بار یعنی ۱۹۲۴ء میں حضور نے سرزمین یورپ میں جماعت احمدیہ کی پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ جو مسجد فضل لندن کے نام سے موسوم ہے دوسری مرتبہ ۱۹۵۵ء میں حضور نے یورپ میں تبلیغ اسلام کے کام کا جائزہ لینے کی غرض سے مبلغین یورپ کی ایک کانفرنس طلب فرمائی اور اس میں تبلیغ اسلام کی مہم کو وسیع تر اور موثر بنانے کے سلسلہ میں مبلغین کو نہایت زریں ہدایات سے نوازا۔ چنانچہ حضور کی ہدایات کی روشنی میں تبلیغ اسلام کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے سلسلہ میں ایک نیا پروگرام مرتب کیا گیا آج کل یورپ میں اسی پروگرام کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے اور اس کے بفضلہ تعالیٰ خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد بزرگ صحابہ اور نامور علماء اس مشن میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے پر مامور ہوتے رہے ہے۔ اور ابتداء ہی سے یہ مشن سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی زیر ہدایت فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس سرزمین میں اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی علمبرداری کا فرض بھی کامیابی سے ادا کرتا رہا ہے۔ اس کی آپ نے اختصار کے ساتھ متعدد مثالیں بیان کیں

بعد ازاں آپ نے اپنے قیام انگلستان کے سات سالہ دور میں تبلیغِ اسلام کے حالات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل اور خاص تائید نیز سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی خصوصی توجہ اور رہنمائی کے نتیجے میں وہاں تبلیغ اسلام کے کام میں وسعت پیدا ہوئی اور آپ کو وہاں کی نامور سوسائٹیوں اور معروف ادارہ جات میں سینکڑوں کی تعداد میں اسلام پر لیکچر دینے کی توفیق ملی اور پھر اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے نہ صرف یہ کہ غیر مسلموں تک وسیع پیمانے پر اسلام کا پیغام پہنچا بلکہ خود انگلستان میں مقیم بہت سے مسلمانوں پر یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہوئی کہ جماعت احمدیہ کا مسلک اختیار کئے بغیر عیسائیت کا کامیاب مقابلہ ہرگز ممکن نہیں۔ چنانچہ غیر مسلموں کے علاوہ خود ان میں سے بھی ایک معقول تعداد کو قبول حق کی سعادت میسر آئی تبلیغ اسلام کے متعدد دلچسپ واقعات کے علاوہ آپ نے اس امر کو بھی واضح فرمایا کہ کس طرح اس عرصہ میں لندن مشن کو اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے سلسلہ میں نمایاں خدمات بجا لانے کی توفیق ملی اور مشن کی کوششوں کے نتیجے میں وہاں کے مقیم مسلمانوں کو شہری حقوق کے سلسلہ میں وہ مراعات ملیں جن سے انہیں پہلے محض تعدد ازدواج کا عقیدہ رکھنے کی بناء پر محروم کیا جا رہا تھا آپ نے امام مسجد لندن کی حیثیت سے زوردار آواز اٹھائی اور اس کے لئے پوری سرگرمی جدوجہد کی اور بالآخر حکومت کو شہری حقوق کے سلسلہ میں وہ مراعات مسلمانوں کے لئے بھی بحال کرنا پڑیں چنانچہ لندن مشن کی اس خدمت کو وہاں کے مسلمانوں نے بنظر استحسان دیکھا اور اس کو بہت سراہا۔ تبلیغ اسلام اور مسلم مفادات کے تحفظ سے متعلق یہ ایمان افروز واقعات حاضرین نے بہت دلچسپی اور گہری توجہ کے ساتھ سنے آپکی تقریر کے اختتام پر صاحب صدر نے آپکا شکریہ ادا کیا بعد ازاں اجتماعی دعا پر یہ بابرکت اجلاس اختتام پذیر ہوا

درخواست دعا

میرے ماموں مکرم ملک عبد الحفیظ صاحب سلطان پورہ لاہور کا مورخہ ۳ مئی ۶۱ء کو محکمانہ انٹرویو ہو رہا ہے احباب جماعت سے ان کی نمایاں کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ہے نیز میں بھی ایک تعلیمی امتحان میں شریک ہو رہی ہوں۔ احباب جماعت میرے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے کامیاب فرمائے آمین۔ (صادقہ بنت ملک محمد شریف صاحب راولپنڈی)

(۲) محلہ دارالرحمت غربی ربوہ کے محمود احمد صاحب (دفتر انصار اللہ) حکیم نیاز محمد صاحب اور اہلیہ صاحبہ پنڈت محمد عبد اللہ صاحب آجکل بیمار ہیں اور ہسپتال میں بغرض علاج داخل ہیں جملہ احباب کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ ان سب مریضوں کی کامل و عاجل شفایابی کیلئے دعا کریں ؛ (صدر محلہ دارالرحمت غربی ربوہ)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۲۵۴